علمی مضامین سلسلہ نمبر ۳

''خانقاہِ حامدیہ'' نزد جامعہ مدنیہ جدید رائیونڈ روڈ لاہور کی جانب سے محدث، فقیہ، مؤرخ، مجاہد فی سبیل اللہ، مؤلف کتب کثیرہ شیخ الحدیث حضرت اَقدس مولانا سیّد محمد میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بعض اہم مضامین جو تا حال طبع نہیں ہو سکے اُنہیں سلسلہ وار شائع کرنے کا اہتمام کیا گیا ہے جبکہ اُن کی نوع بنوع خصوصیات اِس بات کی متقاضی ہیں کہ اِفادۂ عام کی خاطر اُن کو شائع کر دیا جائے۔ اِسی سلسلہ میں بعض وہ مضامین بھی شائع کیے جائیں گے جو بعض جرائد و اَخبارات میں مختلف مواقع پر شائع ہو چکے ہیں تا کہ ایک ہی لڑی میں تمام مضامین مرتب و یکجا محفوظ ہو جائیں۔ (اِدارہ)

رُوح کیا ہے ؟

﴿ حضرت اَقدس مولانا سیّد محمد میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ ﴾

✿ ✿ ✿

ایک صاحب کے سوال کے جواب میں

آپ نے تحریر فرمایا ہے : رُوح کے معاملہ میں اِسلام کا نقطۂ نظر کیا ہے ؟

اِس کا جواب تو یہ ہے کہ اِسلام کا نقطۂ نظر وہ ہے جو نصِ قرآن سے ثابت ہے اِرشادِ ربانی ہے ﴿ یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الرُّوْحِ ﴾ '' آپ سے پوچھتے ہیں رُوح کو'' جواب کے لیے آنحضرت ﷺ کو ہدایت ہے ﴿ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ ﴾ پس یہ مختصر جواب ہی حقیقی جواب ہے اور یہی اِسلام کا نقطۂ نظر ہے اِس سے زیادہ وضاحت اِس لیے نہیں ہو سکتی کہ تمہارا علم بہت محدود ہے۔

اِس مختصر جواب کی تفصیل یہ ہے کہ رُوح کے وجود سے اِنکار نہیں ہے لیکن اِس کی حقیقت کا اِظہار اِس سے زیادہ نہیں ہو سکتا کہ

(۱) وہ حادِث ہے اِس کا حدوث اَمرِ رب سے ہوا لہٰذا وہ قدیم نہیں ہے۔

(۲) اُس کی پیدائش اُس مادّہ سے نہیں ہوئی جس سے اِنسان اور حیوانات یا جن وشیاطین کی پیدائش ہوئی ہے یعنی وہ مادّی نہیں ہے۔

(۳) باری تعالیٰ پیدا کرنے یعنی اِحداث واِبداع میں مادّہ کا محتاج نہیں ہے اُس کی شان یہ ہے ﴿اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَيْـًٔا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ﴾ یعنی جو چیز علمِ اِلٰہی میں تھی اُس کو خطاب ہوا "کُنْ" وہ درجۂ کون میں آ گئی یعنی موجود ہوگئی۔

(۴) اِس کی دُوسری تعبیر یہ بھی ہے کہ رُوح کا تعلق ''عالمِ اَمر'' سے ہے، عالمِ اَمر کی تعریف یہ کی جاتی ہے کہ وہ عالَم جو مشاہدہ سے بالا ہے، شیخ اَکبرؒ نے تعریف یہ کی کہ

﴿مَا خَلَقَ اللّٰهُ بِلَا وَاسِطَةٍ فَهُوَ عَالَمُ الْاَمْرِ وَمَا خَلَقَ الشَّيْئَ مِنْ شَيْئٍ فَهُوَ عَالَمُ الْخَلْقِ فَالرُّوْحُ مِنْ عَالَمِ الْاَمْرِ لِكَوْنِهَا مَخْلُوْقَةً بِلَا وَاسِطَةٍ بِخِلَافِ الْجِسْمِ فَاِنَّهٗ مِنَ الْعَنَاصِرِ﴾ (فیض الباری ج۴ ص ۵۲۶)

خلقِ سمٰوات کے متعلق اِرشادِ ربانی ہے :

﴿ثُمَّ اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَآءِ وَهِيَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَلِلْاَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا ؕ قَالَتَآ اَتَيْنَا طَآئِعِيْنَ﴾ (سُورہ حمٓ السجدہ : ۱۱)

یعنی ﴿خَلَقَ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضَ﴾ کی صورت یہ ہوئی کہ صرف لفظ ''کن'' کی بناء پر اُن کا خلق نہیں ہوا بلکہ پہلے ایک ''دُخان'' تھا جس کو آج کل کی اِصطلاح میں ''اسٹیم'' یا ''اِیتھر'' کہہ سکتے ہیں آسمان اور زمین کی جو صورت علمِ اِلٰہی میں تھی اُس کو حکم ہوا ﴿ائْتِيَا﴾ وجود میں آجاؤ، اُنہوں نے جواب دیا ﴿اَتَيْنَا طَآئِعِيْنَ﴾ (ہم آئے خوشی سے)۔ اِسی طرح اِنس وجن کے متعلق اِرشادِ ربانی ہے :

﴿وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ۝ وَالْجَانَّ خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَّارِ السَّمُوْمِ﴾ (سُورۃ الحجر : ۲۶، ۲۷)

اِسی طرح پیدائشِ رُوح کے لیے کسی مادّہ کو کام میں نہیں لایا گیا بلکہ براہِ راست اُس صورت کو جو علمِ اِلٰہی کے خزانۂ بے پایاں میں تھی حکم ہوا ''کن'' پس وہ وجود میں آ گئی۔

حضرت علامہ سہیلیؒ روض الانف میں فرماتے ہیں کہ

اِنَّ نِسْبَةَ الْمَلَكِ اِلَى الرُّوْحِ كَنِسْبَةِ الْبَشَرِ اِلَى الْمَلَكِ فَكَمَا اَنَّ الْمَلٰئِكَةَ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْنَا وَلَا نَرَاهُمْ كَذٰلِكَ الرُّوْحُ تَرَى الْمَلَائِكَةَ وَلَا يَرَوْنَهَا.

(فیض الباری ج ۱ ص ۲۲۲)

''فرشتوں کو رُوح سے وہی نسبت ہے جو اِنسان کی فرشتوں سے ہے، جس طرح فرشتے ہم کو دیکھتے ہیں اور ہم اُن کو نہیں دیکھ سکتے ویسے ہی رُوح فرشتوں کو دیکھتی ہے فرشتے رُوح کو نہیں دیکھ سکتے۔''

حاصل یہ کہ جس طرح اِنسان، جن، فرشتے، علیحدہ علیحدہ مخلوق ہیں، ہر ایک کا عالَم علیحدہ ہے ایسے ہی رُوح بھی ایک مستقل مخلوق ہے یہ مخلوق اِن سب سے بالا ہے کیونکہ بلا توسط براہِ راست اَمرِ ''کن'' سے وجود میں آئی ہے۔

(۱) اِنسان مادّی ہے، اُس کا علم مادّیات تک محدود ہے کیونکہ علمِ اِنسان کا مدار مشاہدہ پر ہے یا اُس قیاس اور تجربہ پر جو مشاہدہ ہی کا نتیجہ ہوتا ہے۔ مشاہدہ سے بالا کا علم تو کیا ہوتا ہے وہاں تک تو پروازِ فکر بھی نہیں پہنچ سکتی، لیکن بہت سے حقائق وہ ہیں جو مشاہدہ سے وراء الوراء ہیں جیسے خود باری تعالیٰ عزاِسمہٗ یا مثلاً رُوح اور ملائک وغیرہ اِن سب کو قرآنِ پاک '' اَلْغَیْبُ '' سے تعبیر کرتا ہے اور اُس پر اِیمان لانا لازم گردانتا ہے۔

رُوح بھی ایسی ہی ایک حقیقت ہے جو ''الغیب'' میں داخل ہے۔ ''الغیب'' کی کوئی اِنتہاء نہیں اُس کی صرف وہ حقیقتیں اِنسان کو بتادی گئیں جن پر اِنسان کی رُوحانی ترقی اور اُخروی نجات کا مدار تھا، اُن کے علاوہ خدا جانے کتنے حقائق یا عوالم ہیں جن کے نام اور نشان بھی اِنسان کو معلوم نہیں کیونکہ وہ اگرچہ رب العالمین کی مربوب ہیں، مگر اِنسان کی رُوحانی ترقی اور اُس کی اُخروی نجات سے اُن کا تعلق نہیں ہے، مادّہ سے بالا تو دَرکنار خود مادّہ ہی کے سلسلے میں خدا جانے کتنے عالَم ہیں جن کا اِنسان کو علم نہیں۔ سائنس جدید نے اَب کہنا شروع کیا ہے کہ نظامِ شمسی جو ہمارے تمام مشاہدات کا محور ہے ایک

نہیں بلکہ خدا جانے کتنے نظامِ شمسی ہیں، حال ہی میں ایک آٹھویں سیارہ کا اِنکشاف ہوا ہے جس کی روشنی ہمارے آفتاب کی روشنی سے ۶ ملین (۶۰ لاکھ) زائد ہے اور اُس کی کرن زمین تک ساڑھے تین کروڑ برس میں پہنچے گی۔ (واللہ اعلم)

(۲) حضرت حق جل مجدہٗ کے اِسی مختصر جواب "مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ" سے علماء نے اَخذ کیا ہے۔

"هُوَ جَوْهَرٌ بَسِيْطٌ مُجَرَّدٌ وَلَا يَحْدُثُ اِلَّا بِمُحْدِثٍ قَوْلِهٖ كُنْ فَيَكُوْنُ"

(تفسیر کبیر ج ۵ ص ۶۴۳)

''رُوح ایک بسیط و مجرد جوہر ہے جس کا وجود وحدوث اللہ تعالیٰ کے قول ''کن'' سے ہوا ہے یعنی اِس قول سے جو محدث ہے یعنی جس کلمہ سے اللہ تعالیٰ کائنات کو عدم سے وجود میں لاتا ہے۔''

حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے نہایت شاندار الفاظ اِستعمال کیے ہیں، آپؒ فرماتے ہیں :

" الروح فی الحقیقة ، حقیقة فردانیة ونقطة نورانیة " (حُجة اللّٰه البالغه باب حقیقة الروح)

علامہ سیّد محمود آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ تعریف کی :

"جَوْهَرٌ بَسِيْطٌ مُجَرَّدٌ مُحْدَثٌ بِاَمْرِ اللّٰهِ تَعَالٰى وَتَكْوِيْنِهٖ وَتَاْثِيْرُهٗ اِفَادَةُ الْحَيٰوةِ لِلْجَسَدِ" (رُوح المعانی ج۵ ص ۱۵۴)

اور علامہ موصوف نے اِمام فخر الدین رازیؒ کا یہ مقولہ نقل فرمایا ہے :

"جَوْهَرٌ قُدْسِيٌّ مُجَرَّدٌ" (رُوح المعانی ج۵ ص ۱۵۲)

اِن سب کا حاصل یہ ہوا کہ ''رُوح'' ایک جوہر یعنی ایک حقیقت واقعہ ہے مادّہ سے بالا (مجرد) اللہ کے حکم ''کن'' سے اِس کو جامۂ وجود میسر آیا، اِس کی تاثیر یہ ہے کہ وہ جسد (بدنِ اِنسانی) میں زندگی پیدا کر دیتی ہے۔

لیکن یہ تمام اَوصاف جو رُوح کے بیان کیے گئے، اُن کو اَجزاءِ ماہیت نہیں کہا جا سکتا، ''جوہر قدسی مجرد'' کے سوا جو کچھ بیان کیا گیا وہ جزِ ماہیت نہیں بلکہ خاصیت اور خصوصیت ہے

جیسے ''ضَاحِكٌ'' یا ''بَادِی الْبُشْرِ'' اِنسان کے لیے۔

پس مذکورہ بالا تعریف کو ''حد'' نہیں کہا جا سکتا بلکہ منطقی اِصلاح میں اِس کو ''رسم'' کہا جائے گا ''حد'' (جیسے اِنسان کی حد حیوانِ ناطق ہے) وہ بھی نامعلوم رہی کیونکہ اَجزاء ماہیت کا علم نہیں ہوا کیونکہ اِنسان میں اَجزاءِ ماہیت کے سمجھنے کی صلاحیت نہیں ہے کیونکہ اُس کو جو علم میسر آیا وہ قلیل ہے، مشاہدات سے بالا حقائق کے بیان کے لیے اُس کے پاس الفاظ ہی نہیں ہیں، جن کا علم بھی اِنسان کو نہیں ہے اُن کے لیے الفاظ کہاں سے آئیں گے ؟ اِسی لیے اللہ تعالیٰ نے اپنا تعارف نفی سے کرایا یعنی ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ﴾ اِس کے علاوہ جو کچھ اللہ تعالیٰ کے متعلق علم ہے کہ حَیٌّ، قَیُّوْمٌ ، عَلِیْمٌ، حَکِیْمٌ، قَادِرٌ وغیرہ یہ سب اَوصاف ہیں اُس کی کنہ اور حقیقت پھر بھی نہ معلوم ہے۔

یہود کا اِطمینان اور ہاتھ چومنا :

قابلِ توجہ یہ ہے کہ علماء یہود جو اِمتحان لینے آئے تھے وہ آنحضرت ﷺ کے اِسی جواب سے اِتنے مطمئن ہوگئے کہ آپ کے ہاتھ چومے اور اپنے اِیمان نہ لانے کا ایک ایسا عذر پیش کیا جو اگرچہ خود اُن کا اِختراع کردہ تھا مگر بہرحال اُن کے نزدیک عذر تھا کہ ہمیں یہ ہدایت ہے کہ ہم اِسی نبی پر اِیمان لائیں جو بنی اسرائیل میں سے ہے یا یہ کہ

﴿اِنَّ اللّٰهَ عَهِدَ اِلَيْنَا اَلَّا نُؤْمِنَ لِرَسُوْلٍ حَتّٰى يَاْتِيَنَا بِقُرْبَانٍ تَاْكُلُهُ النَّارُ﴾ [1]

''اللہ تعالیٰ نے ہم سے عہد لیا ہے کہ ہم کسی رسول پر اُس وقت تک اِیمان نہ لائیں جب تک وہ ایسی قربانی نہ پیش کردے جس کو آگ کھا جائے۔''

مقصد یہ ہے کہ علماءِ یہود نے اِس جواب کی تردید نہیں کی بلکہ اِس جواب کو معیارِ نبوت سمجھا، جس کا سبب بظاہر یہ ہے کہ خود اَنبیاء بنی اِسرائیل نے رُوح کے متعلق یہی بتایا تھا جو آپ نے وحی اِلٰہی کے بموجب بتایا۔

---

[1] سُورہ آلِ عمران : ۱۸۳

اِس کی توجیہہ آپ یہ بھی کر سکتے ہیں کہ جب مذاہب کا تعلق وحی اور نبوت سے ہے اُن سب کا متفقہ عقیدہ رُوح کے متعلق یہی ہے کہ ﴿ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ ﴾ یعنی اِس سے زیادہ کچھ نہیں بتایا جا سکتا کہ وہ عالمِ اَمر کی ایک حقیقت ہے۔ یہ ہے اِرشادِ ربانی کا اِشارہ، اِسی کو اِسلام کا نقطۂ نظر کہا جا سکتا ہے۔

مشابہتِ رُوح :

لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ''بدنِ اِنسان'' میں اِس رُوح کے علاوہ اور بھی کچھ جوہر ہیں جو رُوح سے خاص تعلق رکھتے ہیں حتی کہ اُن کو بھی رُوح کہا جاتا ہے۔

اُن کی وضاحت سیّدنا حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہٗ کے بیان سے ہوتی ہے جس کا مختصر خلاصہ یہاں اُردو میں پیش کیا جا رہا ہے، باب حقیقة الروح حجة اللّٰه البالغة میں آپ فرماتے ہیں :

یہ بات تو پہلی ہی نظر میں معلوم ہو جاتی ہے کہ ''رُوح'' مبدأ حیات اور مدارِ زندگی ہے، نفخ رُوح ہوتا ہے تو زندگی شروع ہو جاتی ہے اور بدن سے اُس کے جدا ہو جانے کا نام موت ہے پھر دریافتِ حقیقت کی طرف ذہن متوجہ ہو جاتا ہے تو ہمارا اِحساس سب سے پہلے ایک بخار لطیف (گیس یا سٹیم) کی طرف رہنمائی کرتا ہے جو بدنِ اِنسانی کے اَخلاط کا خلاصہ اور جوہر ہوتا ہے وہ قلب میں پیدا ہوتا ہے (سب سے پہلے رحمِ مادر کے اَخلاط نے اُس کو جنم دیا، پھر یہ اِنسان کی غذا کے آخری ہضم کا نتیجہ ہوتا ہے) اِنسان جو کچھ کھاتا پیتا ہے اُس کا تدریجی ہضم پہلے اُس کو خون کی شکل دیتا ہے اور خون سے یہ جوہرِ لطیف یا بخارِ لطیف پیدا ہوتا ہے جس کو رُوح سمجھا جاتا ہے یہ بدنِ اِنسانی کی اَندرونی قوتوں مثلاً قوتِ حاسہ، قوتِ مدرکہ اور قوتِ مدبرہ للغذاء کا حامل ہوتا ہے۔ اِس بخارِ لطیف کی مختلف کیفیات کا اَثر اِن قوتوں پر پڑتا ہے اور اِن قوتوں کی مختلف کیفیات اِس بخارِ لطیف پر اَثر اَنداز ہوتی ہیں، یہاں تک کہ جب یہ قوتیں اپنا عمل صحیح طور پر نہیں کرتیں تو اُس بخار لطیف کے بننے اور پیدا ہونے میں فرق آجاتا ہے۔ اِنتہا یہ کہ یہ بخارِ لطیف یا سٹیم بجھ جاتی ہے تو شمعِ حیات بھی گُل ہو جاتی ہے۔ بدنِ اِنسانی میں اِس بخار لطیف کی مثال ایسی ہے جیسے گلاب کے پھول میں عرقِ گلاب یا جیسے لکڑی کے کوئلہ میں سُلگنے

والی آگ، اُس رُوح کو ''رُوحِ ہوائی'' کہا جاتا ہے۔ اَطباء کے زیر بحث یہی رُوح ہوتی ہے (اِس لیے اِس کو ''رُوحِ طبی'' بھی کہا جاتا ہے)۔

اِس ''رُوحِ طبی'' کو سمجھ لینے کے بعد ایک سوال ہمارے سامنے آتا ہے مثلاً ''زید'' ایک شخص ہے، کیا اُس کی حقیقت کا مدار اِسی رُوح پر ہے ؟ زید بچہ تھا پھر جوان ہوا پھر بڑھاپا اُس پر چھا گیا، کبھی صحت مند رہا کبھی بیمار پڑ گیا، بچپن میں اُس کا قد صرف بیس اِنچ تھا، وزن پانچ پونڈ، پھر جوان ہوا تو قد سات فٹ ہو گیا اور وزن دو سو پونڈ، یہ سب تبدیلیاں ہوئیں، مگر ''زید'' ''زید'' ہی رہا وہ پڑھتا تھا تب بھی ''زید'' ہی تھا، عالم فاضل ہو گیا تب بھی ''زید'' ہی رہا، وہ فرش زمین پر بھی ''زید'' ہی ہے ہوائی جہاز پر پرواز کرتے ہوئے ''زید'' ہی ہے اور اگر چاند پر پہنچ جائے تب بھی ''زید'' ہی ہے، اُس کی شخصیت میں فرق نہیں آیا، لیکن یہ ''رُوحِ طبی'' یا ''رُوحِ ہوائی'' ایک اسٹیم ہے، غذا کی آخری ہضم کے بعد وجود میں آتی ہے اور جیسے ہی وجود میں آتی ہے ختم ہو جاتی ہے تازہ اسٹیم اُس کی جگہ لے لیتی ہے اِس تسلسل سے یہ حیوانی زندگی باقی ہے مگر اسٹیم ہر آن اور ہر لحہ بدل رہی ہے۔ ظاہر ہے یہ ہر لحہ بدلنے والی رُوح آخر عمر تک باقی رہنے والے ''زید'' کی شخصیت کا مدار نہیں ہو سکتی، لامحالہ یہاں کوئی اور رُوح ہے جس پر شخصیت کا مدار ہے، لفظ ''نسمہ'' جو اَحادیث میں آیا ہے مثلاً حضرت علی رضی اللہ عنہ ایک موقع پر فرماتے ہیں : وَالَّذِیْ فَلَقَ الْحَبَّةَ وَ بَرَأَ النَّسَمَةَ [1] ''قسم اُس ذات کی جس نے دانے کو پیدا کیا اور نسمہ کو وجود بخشا۔''

حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں یہ رُوح جس پر شخصیت ''زید'' کا مدار ہے، یہی ''نسمہ'' ہے، اَب یہ تو نہیں کہا جا سکتا کہ یہ ''رُوح ہوائی'' سے پیدا ہوا ہے اَلبتہ یہ ضرور ہے کہ ''رُوح ہوائی'' سے اِس کا خاص تعلق ہے پھر جس طرح ''رُوحِ طبی'' سارے بدن میں اُسی طرح نفوذ کیے ہوئے ہے جیسے گلاب کے پھول میں عرقِ گلاب یا لکڑی کے کوئلہ میں سُلگنے والی آگ، پورے پھول یا پورے اَنگارہ میں سرایت کیے ہوئے ہے اِسی طرح اِس ''نسمہ'' کا اَثر بھی پورے بدن پر ہے۔

---

[1] بخاری شریف کتاب الجهاد رقم الحدیث : ۳۰۴۷

شاہ صاحبؒ اپنی مشہور تصنیف " اَلْطَافُ الْقُدْسْ" میں تحریر فرماتے ہیں :

''نسمہ'' ایک لطیف جسم ہوتا ہے جس کو ''جسم ہوائی'' کہا جاتا ہے وہ اِنسان کے تمام بدن میں سرایت کیے ہوئے ہوتا ہے وہ فنا نہیں ہوتا بلکہ موت کے بعد بھی باقی رہتا ہے۔'' [1]

''حجۃ اللہ البالغہ'' میں آپ فرماتے ہیں کہ نسمہ تحلیل ہوتا ہے تو موت طاری ہوجاتی ہے، آپ فرماتے ہیں :

وَقَدْ تَحَقَّقَ عِنْدَنَا بِالْوِجْدَانِ الصَّحِيْحِ اَنَّ الْمَوْتَ اِنْفِكَاكُ النَّسَمَةِ عَنِ الْبَدَنِ لِفَقْدِ اِسْتَعْدَادِ الْبَدَنِ لِتَوْلِيْدِهَا لِاِنْفِكَاكِ الرُّوْحِ الْقُدْسِيِّ عَنِ النَّسَمَةِ.

(حجة اللّٰه البالغه ج ا ص ۵۳)

''وجدانِ صحیح سے یہ بات ہمارے نزدیک متحقق ہوگئی ہے کہ موت یہ ہے کہ بدن کی وہ صلاحیت جو ''نسمہ'' کو جنم دیتی ہے مفقود ہوجاتی ہے، جس وجہ سے ''نسمہ'' بدنِ اِنسانی سے جدا ہوجاتا ہے، پس بدن سے ''نسمہ'' کے چھوٹ جانے کا نام ''موت'' ہے۔ موت یہ نہیں ہے کہ رُوحِ قدسی، نسمہ سے اَلگ ہوگئی۔''

پھر فرماتے ہیں جب مہلک اَمراض کے نتیجہ میں ''نسمہ'' تحلیل ہوجاتا ہے تو حکمتِ اِلٰہیہ اور اُس کی قدرتِ کاملہ یہ لازم گردانتی ہے کہ ''نسمہ'' کا اِتنا وجود ضرور باقی رہے کہ اُس سے ''رُوحِ اِلٰہی'' کا تعلق باقی رہ سکے جیسے کہ شیشی کو چوسا جائے تو چوس لینے کے بعد کچھ ہوا شیشی میں ضرور باقی رہتی ہے، یہ ہوا باقی نہ رہے تو شیشی چٹخ جائے (یہی صورت ''نسمہ'' کی ہے)۔ پھر فرماتے ہیں :

وَاِذَا مَاتَ الْاِنْسَانُ كَانَ لِلنَّسَمَةِ نَشْاَةٌ اُخْرٰى ، فَيُنْشِئُ فَيْضُ الرُّوْحِ الْاِلٰهِيِّ فِيْهَا قُوَّةً فِيْمَا بَقِيَ مِنَ الْحِسِّ الْمُشْتَرَكِ تَكْفِيْ كِفَايَةَ السَّمْعِ وَ الْبَصَرِ وَ الْكَلَامِ بِمَدَدٍ مِنْ عَالَمِ الْمِثَالِ اَعْنِى الْقُوَّةَ الْمُتَوَسِّطَةَ بَيْنَ الْمُجَرَّدِ وَ الْمَحْسُوْسِ الْمُنْبَثَّةِ فِى الْاَفْلَاكِ كَشَيْئٍ وَاحِدٍ .

(حجة اللّٰه البالغة باب حقيقة الروح ص ۱۹)

---

[1] فیض الباری ج۳ ص ۳۳۴

''مطلب یہ ہے کہ اِنسان کی موت کے بعد اِس نسمہ میں ایک نئی زندگی (نشاۃ اُخریٰ) وجود پزیر ہوئی ہے اور حسِ مشترک کا جو حصہ باقی رہ جاتا ہے، ''رُوحِ اِلٰہی'' کا فیض اس میں وہ قوت پیدا کرتا ہے جو سمع بصر اور کلام کے لیے کافی ہو سکے اور یہ عالمِ مثال یعنی اُس قوت کی مدد سے ہوتا ہے جو مجرد اور محسوس کی درمیانی قوت ہے جو شے واحد کی طرح (فضاء بالا) میں پھیلی ہوئی ہے۔''

بدن میں ایک اور جوہر :

مختصر یہ کہ بدن میں ''رُوحِ طبی'' کے علاوہ ایک اور جوہر ہے جو بدنِ اِنسان کی خاص صلاحیت سے وجود میں آتا ہے، موت کے وقت بدنِ اِنسان سے جدا ہو جاتا ہے مگر فنا نہیں ہوتا، اِس درجہ میں اُس کا وجود ضرور باقی رہتا ہے کہ ''رُوحِ اِلٰہی'' اور ''رُوحِ قدسی'' سے اُس کا رابطہ باقی رہ سکے، مرنے کے بعد ''رُوحِ اِلٰہی'' کے فیض سے ''نسمہ'' میں نیا نشو ونما شروع ہو جاتا ہے اور اُس میں وہ قوت آجاتی ہے کہ بواسطۂ حسِ مشترک، سمع، بصر اور کلام کے لیے کافی ہو سکے۔

ایک خاص قوت جو مجرد اور محسوس کی درمیانی کڑی ہوتی ہے بالائی فضا میں پھیلی ہوئی ہے اُس کو عالمِ مثال کہا جاتا ہے، ''نسمہ'' میں جو قوت پیدا ہوتی ہے وہ اُسی عالمِ مثال کا فیض ہوتا ہے۔ ''نسمہ'' کے بعد ایک حقیقتِ فردانیہ اور نقطۂ رُوحانیہ ہے جو اِن فیوض اور اِفادات کے لیے جو عالمِ بالا سے ''نسمہ'' کو عطا ہوتے ہیں روشندان کا کام دیتا ہے جس کا تعلق ''نسمہ'' پھر ''رُوحِ طبی'' کے واسطہ سے بدنِ اِنسانی سے بھی ہوتا ہے اُس کو ''رُوحِ حقیقی'' یا ''رُوحِ قدسی'' یا ''رُوحِ اِلٰہی'' کہا جاتا ہے، یہ رُوح ہے کہ قرآنِ حکیم جس کی طرف اِشارہ کرتا ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

حضرت علامہ مولانا محمد اَنور شاہ صاحب کشمیریؒ :

اُستاذ محترم حضرت علامہ کشمیری صاحب رحمۃ اللہ علیہ بخاری شریف کے درس میں موقع بموقع رُوح، نسمہ اور نفس وغیرہ کا تذکرہ فرمایا کرتے تھے، آپ کے یہ اِفادات فیض الباری کے مختلف صفحات

میں منتشر ہیں۔ (ملاحظہ ہو: ج ۱ ص ۲۲۲، ج ۲ ص ۳، ج ۲ ص ۱۴۵، ج ۳ ص ۳۳۴، ج ۳ ص ۴۵۲، ج ۴ ص ۵۰۹، ج ۴ ص ۵۲۶)

آپؒ نے ''نسمہ'' اور ''رُوح'' کا یہ فرق بیان فرمایا کہ ''نسمہ'' کے متعلق وِلادت کا لفظ آیا ہے مثلاً مَامِنْ نَسَمَةٍ مَوْلُوْدَةٍ . رُوح کے متعلق نفخ اور خلق کا لفظ آیا ہے ولادت کا لفظ نہیں آیا ہے، پھر فرماتے ہیں کہ نفخ کے بعد جب رُوح کا تعلق بدن سے ہوتا ہے تو وہ بدن کے بھی حالات اَخذ کر لیتی ہے اِس اَخذ و اِکتساب کے سبب سے رُوح کے خواص میں بھی تبدیلی آجاتی ہے۔

پھر فرماتے ہیں :

> ایک ہی چیز ہے مگر اُس کے مراتب مختلف ہیں، سب سے کم درجہ وہ ہے جس کو ''نسمہ'' کہا جاتا ہے، پھر تعلقِ بدن سے قطع نظر کر کے اُس کو باری تعالیٰ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے تو اُسی کا نام ''رُوح'' ہوتا ہے۔'' (فیض الباری ج ۴ ص ۵۲۶)
>
> (مزید اِمتیاز کے لیے اِس کو ''رُوحِ اِلٰہی'' یا ''رُوحِ قدسی'' کہہ دیا جاتا ہے)

اور یہی رُوح کہ جب اُس کا تعلق بدن سے ہوتا ہے تو اُس تعلق اور نسبت سے اُس کو ''نفس'' کہا جاتا ہے جیسے مثلاً پانی جب تک اَلگ ہے پانی ہے اور جب درخت اُس کو جذب کر لیتا ہے تو اَب اُس کو پانی نہیں کہا جاتا، اور پانی کے اَحکام جواز وغیرہ بھی اُس پر نافذ نہیں ہوتے۔ (فیض الباری ۲/ ۱۴۵)

(لیکن یہ بات بھی قابلِ توجہ ہے کہ کنویں کا پانی جو گلاس میں ہے اور مثلاً تربوز کا پانی اِن دونوں کو ایک کہا جائے گا یا اَلگ اَلگ تو اگرچہ ''رقیق اور سیال'' ہونے کے لحاظ سے دونوں ایک ہیں لیکن دُوسرے اَوصاف کا اِتنا فرق ہے کہ اُن کو ایک کہنا سراسر تکلف ہے) چنانچہ دُوسرے موقع پر حضرت موصوفؒ فرماتے ہیں :

> ''رُوح، نسمہ اور ذرّہ اَلگ اَلگ چیزیں ہیں، ایک ہی حقیقت کی مختلف تفسیریں نہیں ہیں۔''

نیز فرماتے ہیں :

اِبن سینا نے ''حیوان'' کا ترجمہ ''جان'' اور ''رُوح'' کا ترجمہ ''رواں'' بتایا ہے۔
(فیض الباری ج ۲ ص ۳)

بالفاظِ دیگر اِبن سینا نے ''تعریفات الاشیاء'' میں ''نفسِ حیوانیہ'' کا ترجمہ ''رواں'' اور ''نفسِ ناطقہ'' کا ترجمہ ''جان'' کیا ہے، پھر یہ بھی اِرشاد ہے اِعْلَمْ اَنَّ النَّسَمَةَ تَرْجَمَتُهٗ ''جان''
(فیض الباری ج ۳ ص ۴۵۲)

مستقرِ اَرواح :

علماءِ کرام کے اَقوال اِس مسئلہ میں بہت مختلف ہیں۔ (رُوح المعانی ج ۱۵ ص ۱۶۱ تا ۱۶۴)
اگر یہ کہا جائے کہ اَرواح مومنین کا مستقر ''علیین'' ہے اور اَرواحِ کفار کا مستقر ''سجین'' ہے تو سوال یہ ہے کہ علیین اور سجین کہاں ہیں ؟ اِس کے جوابات بھی علماءِ کرام نے مختلف دیے ہیں۔

حضرت علامہ کشمیریؒ کی تحقیق اِس بارے میں عجیب وغریب ہے اور غالبًا سب سے نرالی ہے، حدیث معراج میں ہے کہ سماءِ دُنیا پر آنحضرت ﷺ کی ملاقات حضرت آدم علیہ السلام سے ہوئی تو آپ نے دیکھا کہ :

''عَلٰی یَمِیْنِهٖ اَسْوِدَةٌ ، وَعَلٰی یَسَارِهٖ اَسْوِدَةٌ ، اِذَا نَظَرَ قِبَلَ یَمِیْنِهٖ ضَحِكَ ، وَاِذَا نَظَرَ قِبَلَ یَسَارِهٖ بَكٰی .'' (بخاری شریف رقم الحدیث ۳۴۹)

''بہت سے وجود حضرت آدم علیہ السلام کے دائیں اور بہت سے وجود آپ کے بائیں ہیں، جب آپ دائیں طرف دیکھتے ہیں تو ہنستے ہیں اور جب آپ کی نظر بائیں جانب مڑتی ہے تو آپ روتے ہیں۔''

حضرت علامہ کشمیریؒ دائیں اور بائیں ہی کو علیین اور سجین فرماتے ہیں۔

پھر فرماتے ہیں کہ آخرت میں جہات اور سمتیں بدل جائیں گی۔

'' فَتَصِیْرُ الْعَالِیَةُ یَمِیْنًا وَالسَّافِلَةُ شِمَالًا وَلَا یَبْقٰی هُنَاكَ فَوْقٌ وَلَا تَحْتٌ''

(فیض الباری ج ۲ ص ۳)

''وہاں فوق اور تحت باقی نہیں رہے گا بلکہ فوق وہی ہوگا جو حضرت آدم علیہ السلام کے داہنے ہوگا اور تحت وہ جو بائیں ہوگا۔''

پھر فرماتے ہیں واقعہ معراج چونکہ ایسے عالَم میں ہوا تھا جو عالمِ آخرت کا مشابہ تھا اِس لیے یہاں بھی فوق اور تحت کا مشاہدہ یمین اور یسار سے کرایا گیا ہے۔ پھر آپ یہ بھی فرماتے ہیں کہ :

''دُنیا کا یہ پورا حصہ دوزخ بن جائے گا اور جنت کا حلقہ ساتویں آسمان کے اُوپر سے شروع ہوگا۔ قرآنِ کریم میں ہے ﴿عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَاْوٰى﴾ .'' (فیض الباری ج ۴ ص ۱۸۱)

یعنی جنت الماوی سدرۃ المنتہٰی کے قریب ہے اور سدرۃ المنتہٰی ساتویں آسمان سے اُوپر ہے یا چھٹے آسمان سے شروع ہوکر ساتویں آسمان کے اُوپر تک پہنچتا ہے۔ (اَحادیث بخاری و مسلم شریفین)

اور اُس کو منتہی اِس لحاظ سے کہا جاتا ہے کہ عالمِ بالا اور عالمِ سافل کے اِنتہا پر ہے، زمین سے صعود کرنے والی چیزیں یہاں تک پہنچ سکتی ہیں آگے نہیں جاسکتیں حتّٰی کہ فرشتے بھی آگے نہیں جاسکتے حضرت جبرائیل علیہ السلام نے اِسی موقع پر آنحضرت ﷺ سے عرض کیا تھا۔

اگر یک سر موئے برتر پرم فروغ تجلی بسوزد پرم

سدرۃ المنتہی سے بالا مکمل طور پر ''الغیب'' ہے، فرشتوں کو بھی اُس کا پتہ نہیں۔ علیٰ ہذا عالمِ بالا سے نزول کرنے والی چیزیں پہلے یہاں پہنچتی ہیں۔ (رُوح المعانی و تفسیر مظہری وغیرہ)

اِس توجیہہ کی بنا پر اَرواحِ طیبہ کا مستقر ساتویں آسمان سے اُوپر ہوگا اور اَرواحِ خبیثہ کا مستقر سجین ہوگا جو تحت الارض تک پہنچتا ہے۔

لیکن علامہ اِبن قیمؒ ''کتاب الروح'' میں فرماتے ہیں کہ :

''اُس عالَم میں جو قیامت سے پہلے ہے جس کو عالمِ برزخ کہا جاتا ہے اَرواح کا کوئی مستقر نہیں ہے، وہ جہاں چاہیں جاسکتی ہیں اور وہ اپنے خاص مستقر پر حساب و کتاب کے بعد پہنچیں گی۔'' (فیض الباری ج ۴ ص ۱۸۱)

لیکن یہاں یہ سوال بھی ہوتا ہے کہ ''نسمہ'' جو موت کے بعد باقی رہتا ہے، اُس کا مستقر کیا ہے ؟ اِس سلسلے میں کسی عالم کی کوئی تحریر اَحقر کے حقیر مطالعہ میں نہیں آئی اَلبتہ ایک مرتبہ جب اَحقر نے حضرت علامہ کشمیریؒ سے دریافت کیا تھا کہ آج کل جو ایک فن اِیجاد ہوا ہے کہ اَرواح کو بُلا کر اُن سے بات کی جاتی ہے کیا یہ ممکن ہے ؟ تو حضرت علامہؒ نے اِس کے جواب میں ایک مفصل تقریر فرمائی تھی اور یہ بھی فرمایا تھا کہ عالمِ برزخ کا محل بھی یہی سماء واَرض کا علاقہ ہے، یہ رُوحیں اِسی عالَم میں ہیں۔

حضرت اُستاذ سے اَحقر نے دریافت بھی نہیں کیا اور آپ نے تصریح بھی نہیں فرمائی، مگر اَحقر کا گمان ہے کہ حضرتؒ کے پیشِ نظر اَرواحِ قدسیہ نہیں بلکہ یہ نسمات ہی تھے، یہ نسمہ باقی رہتا ہے اور علامہ اِبن قیمؒ کی تحریر کے بموجب عذاب وثواب اُس کے ساتھ ہی لگا رہتا ہے اور وہ اُسی میں مبتلا گھومتا پھرتا ہے۔

حضرت شاہ صاحب کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے اِس کی مثال پاگل کتے سے دی ہے کہ اُس کا شدید مرض ساتھ لگا ہوا ہے اور وہ گھومتا پھرتا ہے، دُوسروں کو گزند بھی پہنچاتا ہے اَرواحِ خبیثہ کی مثال یہی ہے مگر اَرواحِ طیبہ ایسی حرکتوں سے بالا رہتی ہیں اور اُن کو وہ راحت وسرور حاصل رہتا ہے جس کی پوری حقیقت آخرت میں اُن کے سامنے آئے گی، اُس کے اَثرات یہاں اُن کو عالمِ برزخ میں پہنچتے رہتے ہیں۔

بہر حال اَحقر کی ناقص رائے یہی ہے کہ عالمِ برزخ میں رہنے والا نسمہ ہے اور رُوح کا مستقر عالمِ بالا ہے جیسا کہ اَحادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ اَرواحِ اَنبیاء کا مستقر اَعلیٰ علیین، اَرواحِ شہداء کا مستقر جنت کے وہ قندیل ہیں جو عرش میں آویزاں ہیں اور عام مومنین کا مستقرِ اَرواح جنت ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)۔(رُوح المعانی ج ۱۵ ص ۱۶۱)

اور اَرواح یعنی نسمات کو بُلانا اور اُن سے گفتگو کرنا کوئی نئی بات نہیں ہے، عامل حضرات کے یہاں اَرواح کو بُلانے اور اُن سے بات کرنے کا عمل بہت پہلے سے چلا آرہا ہے۔ اہلِ یورپ نے بُلانے کے طریقے اپنے طور پر اِیجاد کیے ہیں، عامل حضرات سورۂ مزمل وغیرہ پڑھ کر رُوح کو حاضر کیا

کرتے ہیں، اِس عمل کو عامل حضرات کی اِصطلاح میں ''حاضرات'' کہا جاتا ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

نفس :

تحریر بالا میں ''رُوح ہوائی''، ''نسمہ''، ''ذرّہ'' اور ''رُوح'' کا تذکرہ آ گیا مگر ''نفس'' کے متعلق حضرت علامہ کشمیریؒ کی ایک تقریر میں مختصر تذکرہ آیا اور حضرت شاہ ولی اللہ قدس اللہ سرہ العزیز کی تحریر میں مختصر تذکرہ بھی نہیں ہے حالانکہ قرآنِ شریف میں نفس کا تذکرہ بہت جگہ ہے اور بڑی اہمیت کے ساتھ ہے مثلاً ﴿ وَمَآ اُبَرِّئُ نَفْسِیْ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌ بِالسُّوْٓءِ ﴾(سُورۂ یوسف)﴿ نَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ﴾(سُورۃ النازعات)﴿ یٰٓاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ﴾(سُورۃ الفجر)

تو اِس کا سبب بظاہر یہ ہے کہ نفس الگ چیز نہیں بلکہ بقول حضرت علامہ کشمیریؒ رُوح کا نام ہی نفس ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے کہ رُوح کا تعلق جب بدن سے ہوتا ہے تو اُس تعلق کے لحاظ سے اِس کو نفس کہا جاتا ہے۔ اِبن قیمؒ بھی اِسی کے قائل ہیں اور حضراتِ صوفیاء بھی۔

اَب اِس تعلق کی بناء پر یہی ایک الگ چیز بن جاتا ہے یعنی وہ شان باقی نہیں رہتی جو رُوح مجرد کی ہے (حقیقت فردانیہ و نقطۂ رُوحانیہ) بلکہ ﴿ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سَافِلِیْنَ ﴾کی صورت ہوجاتی ہے جس کی وجہ سے تہذیب اور تزکیہ کی ضرورت ہوتی ہے اور تہذیب و تزکیہ کے لحاظ سے نفس کے چار درجے ہوتے ہیں۔

(۱) ''تہذیب الظاہر'' یعنی صوم وصلوۃ وغیرہ فرائض اور اَحکامِ شریعت کی پابندی سے اِس کا ظاہر مہذب اور مُزَکّٰی ہوجائے۔

(۲) ''تہذیب الباطن'' کہ ملکات ردیہ اور اَخلاقِ ذمیمہ ختم ہوجائیں اور مکارمِ اَخلاق ملکہ اور ذاتی جذبہ بن جائیں۔

(۳) تَحَلِّی النَّفْسِ بِالصُّوْرَةِ الْقُدْسِیَّةِ

(۴) فَنَائُهَا عَنْ ذَاتِهَا بملاحظہ جلال رب العالمین جل جلالہٗ

(۳) اور (۴) کی تفصیل طویل ہے، ہمارے موضوع سے بھی خارج ہے اِس کے لیے کتب تصوف کے مطالعہ کی ضرورت ہے، رُوح المعانی میں بھی اِس کا خلاصہ پیش کیا گیا ہے مگر وہ خلاصہ بھی طویل تشریح کا محتاج ہے۔ اِس وقت جو کچھ عرض کیا گیا وہ بھی کافی طویل ہو گیا۔

(والعلم الصحیح عنداللّٰہ عالم الغیب والشھادۃ)

(ماخوذ اَز : ماہنامہ انوار مدینہ ج ۵ شمارہ ۱۲ جمادی الاوّل ۱۴۱۸ھ/ستمبر ۱۹۹۷ء)